OPEN ACCESS
Al-ISRA
﴾International Journal of
Islamic Thought﴿
ISSN: 2959-3603
www.israjr.com

Al-ISRA
Vol.:5, Issue: 1, Jan -March 2026 PP: 81-94

پگڑی، انشورنس اور بیمہ پالیسی کے فقہی مباحث کا تفسیر برہان القرآن کی روشنی میں تجزیہ

A Juristic Analysis of Advance Rental (Pagri) and Insurance Policies in the Light of Tafsir Burhan al-Qur'an"

Dr. Manzoor Ahmad
Assistant Professor, Department of Arabic & Islamic Studies, Gomal University, Dera Ismail Khan
Email drmanzoor67@yahoo.com

Muhammad Ismail Khan
PhD Scholar, Department of Arabic & Islamic Studies, Gomal University, Dera Ismail Khan
Emai: ismailkhan6592@gmail.com

Dr. Muhammad Altaf Hussain
Lecturer, Moon Higher Secondary School, Old Shujabad Road, Multan
Email: hamzabinaltaf@gmail.com

Abstract

This article explores contemporary Islamic jurisprudential perspectives on economic instruments such as Pagri (advance rent or security deposits), property insurance, insurance policies, and prize bonds. Qari Tayyib Naqshbandi highlights the necessity of examining these financial practices in light of Quranic injunctions against unlawful consumption of others' wealth, emphasizing that modern commercial practices must be assessed according to Sharia principles of justice, transparency, and mutual consent. The discussion on Pagri demonstrates that while some forms may be impermissible, others—such as advance payments for a defined rental period or security deposits—are permissible when clearly agreed upon and documented. Conditions for the protection of both landlords and tenants are elaborated to prevent disputes and financial or psychological harm. The article further examines property insurance and similar financial instruments, presenting the divergent scholarly views on their permissibility. Critics argue that insurance often involves elements of uncertainty (gharar) and may indirectly support interest-based activities, while proponents contend that insurance functions as a protective mechanism, akin to hiring a security service, providing

CC BY

financial compensation for potential losses without guaranteeing profit. Naqshbandi clarifies that insurance transactions do not fall under riba (usury), as they involve compensatory arrangements rather than loans with fixed or excessive returns. He emphasizes the importance of mutual consent, clear contractual terms, and ethical responsibility in ensuring that these practices align with Sharia objectives. Through balanced analysis, the article highlights the nuanced nature of modern financial instruments and their potential permissibility within Islamic law when structured according to principles of fairness and social welfare. It calls for contemporary scholars to engage actively with evolving economic realities to provide practical guidance that maintains Sharia compliance while addressing the needs of modern society.

Keywords: *Pagri, Property Insurance, Sharia Compliance, Financial Ethics, Contemporary Fiqh.*

تمہید

معاصر معاشی اور تجارتی معاملات میں شرعی نقطۂ نظر سے جائز و ناجائز کی تمیز انتہائی اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ اس تناظر میں قاری طیب نقشبندی کی تفسیر برہان القرآن بہترین رہنمائی فراہم کرتی ہے، جو نہ صرف قرآنی اصولوں کی روشنی میں اقتصادی اصولوں کی وضاحت کرتی ہے بلکہ جدید مالیاتی نظام کے پیچیدہ معاملات جیسے پگڑی، املاک کی انشورنس، بیمہ پالیسی اور انعامی بانڈز کا مفصل جائزہ بھی پیش کرتی ہے۔ قاری نقشبندی اس بات پر زور دیتے ہیں کہ جدید تجارتی اور مالیاتی طریقے قرآن و سنت کے بنیادی اصول، یعنی عدل، وضاحت، اور باہمی رضامندی کے تناظر میں پرکھے جائیں۔ اس آرٹیکل میں انہی اصولوں اور ان کے عملی اطلاق کے پس منظر میں مذکورہ مالیاتی مسائل کے فقہی احکام کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ قارئین کو اس بات کی آگاہی حاصل ہو کہ کیسے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے معاشی سہولیات اور تحفظ کے نئے طریقے اختیار کیے جا سکتے ہیں اور کس طرح ممکنہ نزاع اور استحصال سے بچا جا سکتا ہے۔

پگڑی سے متعلق فقہی مباحث

قاری طیب نقشبندی معاصر معاشی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ جب قرآن کریم نے ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے کھانے سے منع کیا ہے تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ نئے پیدا ہونے والے کاروباری طریقوں کو بھی اسی اصول کی روشنی میں پرکھا جائے۔ چنانچہ وہ پگڑی، انشورنس اور بیمہ جیسے معاملات کا شرعی جائزہ لیتے ہیں اور سب سے پہلے پگڑی کے مروج طریقوں کی وضاحت کرتے ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ پگڑی کی بعض صورتیں ناجائز ہو سکتی ہیں، تاہم اس کی کچھ صورتیں ایسی بھی ہیں جو شرعاً درست اور قابلِ قبول ہیں۔ ایک جائز صورت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دکان یا مکان کو ایک متعین مدت کے لیے کرایہ پر دیتا ہے اور پیشگی طور پر پوری یا بڑی رقم وصول کر لیتا ہے، مثلاً دس سال کے لیے مکان دے کر دس لاکھ روپے بطور کرایہ پہلے ہی لے لیے

جائیں۔ اس صورت میں یہ معاملہ اس لیے جائز ہے کہ کرایہ واضح ہے، مدت متعین ہے اور فریقین کی باہمی رضامندی موجود ہے۔ اس کے نتیجے میں مالک مکان اس مدت کے دوران کرایہ دار کو بے دخل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ کرایہ پہلے ہی وصول کر چکا ہے۔

البتہ وہ اس میں مزید احتیاطی پہلو بھی بیان کرتے ہیں کہ اگر مدت کے دوران مالک مکان کو کسی مجبوری کے تحت اپنی ملکیت فروخت کرنا پڑے یا خود استعمال میں لانا پڑے تو اسے باقی مدت کا کرایہ واپس کرنے کے ساتھ ساتھ کرایہ دار کو ہونے والے ممکنہ مالی اور ذہنی نقصان کا بھی ازالہ کرنا چاہیے، اور یہ تمام امور پہلے سے باہمی رضامندی سے طے کر لینے چاہئیں۔ اسی طرح اگر کرایہ دار کو اپنی کسی مجبوری کے تحت مدت سے پہلے مکان چھوڑنا پڑے تو وہ بھی مالک کو ہونے والے ممکنہ نقصان کی تلافی کرے، اور اس کی مقدار پہلے سے متعین کر لی جائے تاکہ بعد میں نزاع پیدا نہ ہو۔

پگڑی کی ایک دوسری صورت زرِ ضمانت یا سیکیورٹی ڈپازٹ کی ہے، جس میں مالک مکان کرایہ دار سے ایک مخصوص رقم بطور ضمانت وصول کرتا ہے اور کرایہ داری کی مدت بھی طے کر لی جاتی ہے۔ جب کرایہ دار مکان یا دکان چھوڑتا ہے تو یہ رقم اسے واپس کر دی جاتی ہے، البتہ اگر اس نے کسی قسم کا نقصان پہنچایا ہو یا کرایہ ادا نہ کیا ہو تو وہ رقم میں سے منہا کیا جا سکتا ہے۔ قاری طیب نقشبندی کے مطابق اس صورت کو علماء نے جائز قرار دیا ہے اور اسے رہن کے حکم میں شمار کیا ہے، کیونکہ اس میں کسی فریق کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک حفاظتی تدبیر کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے۔

یوں اس پوری بحث میں وہ یہ واضح کرتے ہیں کہ پگڑی کا معاملہ اپنی اصل میں ناجائز نہیں، بلکہ اس کی مختلف صورتوں کو شریعت کے اصولِ عدل، وضاحت اور باہمی رضامندی کی بنیاد پر پرکھا جائے گا۔ جس صورت میں یہ اصول برقرار رہیں گے وہ جائز ہو گی اور جس میں ظلم، ابہام یا استحصال پایا جائے گا وہ ناجائز قرار پائے گی۔[1]

اسی بحث کے تسلسل میں قاری طیب نقشبندی پگڑی کی ایک اور مروج صورت کا ذکر کرتے ہیں جس میں مالک مکان کرایہ دار سے ایک بڑی رقم پیشگی وصول کرتا ہے جو ناقابلِ واپسی ہوتی ہے، اور اس کے بدلے میں کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اسے مکان یا دکان سے نکالا نہ جائے، اگرچہ اس کے ساتھ ماہانہ کرایہ بھی بدستور ادا کیا جاتا رہتا ہے۔ اس صورت میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک مکان نے ایک مستقل رقم وصول کر لی ہے جبکہ کرایہ دار کو اس کے بدلے میں کوئی واضح مادی چیز منتقل نہیں ہوئی، اسی بنا پر بہت سے علماء اس طریقے کو ناجائز قرار دیتے ہیں اور اس میں نزاع اور فساد کے امکانات کی نشاندہی کرتے ہیں، کیونکہ اس طرزِ عمل سے کرایہ دار عملاً خود کو مالک کے درجے میں سمجھنے لگتا ہے جس سے باہمی تعلقات میں کشیدگی اور جھگڑوں کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔

تاہم بعض اہلِ علم اس صورت کو ایک دوسرے زاویے سے دیکھتے ہیں اور اس کی گنجائش بیان کرتے ہیں کہ کرایہ دار نے جو بڑی رقم ادا کی ہے وہ دراصل اپنے لیے ایک قسم کا تحفظ اور ذہنی سکون حاصل کرنے کے لیے ہے، کیونکہ عرفاً ایسا ہی ہوتا ہے کہ پگڑی وصول کرنے کے بعد مالک مکان کرایہ دار کو بے دخل کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاملہ ایک حق کے تبادلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

قاری طیب نقشبندی اس اختلافی مسئلے میں ایک معتدل رائے اختیار کرتے ہوئے اس صورت کو مشروط طور پر جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس معاملے کی حقیقت یہ ہے کہ مالک مکان نے اپنی ملکیت کو خالی کرانے کا حق ایک معاوضہ کے

بدلے میں کرایہ دار کے سپرد کر دیا ہے، اور اصولی طور پر حق سے دستبرداری کے عوض مال لینا جائز ہو سکتا ہے۔ تاہم وہ اس بات پر خاص زور دیتے ہیں کہ اس طرح کے معاملات میں نزاعات سے بچنے کے لیے باقاعدہ تحریری معاہدہ نہایت ضروری ہے۔ اس معاہدے میں یہ صراحت ہونی چاہیے کہ اگر کسی وقت مالک مکان کو اپنی ضرورت کے تحت مکان واپس لینا پڑے تو وہ نہ صرف پگڑی کی رقم واپس کرے گا بلکہ کرایہ دار کو منتقلی کے دوران پیش آنے والے مالی اور ذہنی نقصانات کا بھی مناسب معاوضہ دے گا، جس کی مقدار پہلے سے طے کر لی جائے۔ اسی طرح یہ شرط بھی شامل کی جائے کہ کرایہ دار اس مکان یا دکان کو کسی تیسرے فریق کو منتقل نہیں کرے گا، تاکہ مزید پیچیدگیاں پیدا نہ ہوں۔

اس موقف کی تائید میں قاری طیب نقشبندی نے ایک اہم فقہی اجتماع کا حوالہ بھی پیش کیا ہے، جس میں مختلف مکاتب فکر کے جید علماء نے شرکت کی۔ اس سیمینار میں یہ رائے دی گئی کہ اگر مالک مکان ماہانہ کرایہ کے علاوہ پگڑی کے نام پر اضافی رقم وصول کرتا ہے تو اسے اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ اس نے اپنے حقِ استرداد سے دستبرداری کے عوض یہ رقم حاصل کی ہے، اور اس بنیاد پر یہ رقم اس کے لیے جائز ہو گی۔[2] مزید یہ کہ اگر بعد میں مالک مکان مکان واپس لینا چاہے تو کرایہ دار کو یہ حق حاصل ہو گا کہ وہ باہمی رضامندی سے طے شدہ معاوضہ لے کر اپنے اس حق سے دستبردار ہو جائے۔[3]

یوں اس پوری بحث سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پگڑی کی یہ صورت اپنی اصل میں مطلقاً ناجائز نہیں بلکہ اس کی حیثیت ایک باہمی معاہدے کی سی ہے، جسے شریعت کے اصولوں کے مطابق واضح شرائط اور باہمی رضامندی کے ساتھ طے کیا جائے تو اس میں گنجائش پیدا ہو سکتی ہے، بصورتِ دیگر یہ نزاع اور ناانصافی کا سبب بھی بن سکتی ہے۔

انشورنس کے متعلق فقہی مباحث

پگڑی کے بعد قاری طیب نقشبندی معاصر معاشی نظام کے ایک نہایت اہم اور پیچیدہ مسئلے یعنی املاک کی انشورنس کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اس کے شرعی حکم پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ یہ نظام دورِ جدید کی پیداوار ہے اور آج کے عالمی تجارتی اور کاروباری ڈھانچے میں اس کی بڑی اہمیت ہے، حتیٰ کہ بہت سے کاروبار اس کے سہارے چل رہے ہیں۔ اس لیے جب قرآن مجید نے اصولی طور پر یہ ہدایت دی کہ "لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ[4]" تو اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ جدید معاشی نظاموں، خصوصاً انشورنس جیسے معاملات کا شرعی جائزہ لیا جائے۔

اس سلسلے میں وہ پہلے انشورنس کے بنیادی تصور کو واضح کرتے ہیں۔ ان کے مطابق انسان کو اپنی مختلف املاک جیسے گاڑی، موٹر سائیکل، کاروباری سامان، زیورات اور دیگر اثاثوں کے بارے میں ہمیشہ خطرات لاحق رہتے ہیں، مثلاً چوری، آتشزدگی یا دیگر حادثات۔ بسا اوقات ایسے حادثات میں انسان کی پوری زندگی کی جمع پونجی ضائع ہو جاتی ہے اور وہ شدید مالی مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ خصوصاً آگ لگنے جیسے واقعات میں پورے کے پورے گھر، دکانیں یا گودام تباہ ہو جاتے ہیں جس سے بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

اسی خطرے کے پیشِ نظر لوگ انشورنس کمپنیوں سے رجوع کرتے ہیں اور اپنی املاک کو انشورڈ کروا لیتے ہیں۔ اس نظام کے تحت بڑی تعداد میں افراد ایک مقررہ سالانہ رقم کمپنی کو ادا کرتے ہیں، جس سے کمپنی کے پاس ایک بڑا سرمایہ جمع ہو جاتا ہے۔ پھر اگر ان میں سے کسی فرد کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً اس کی املاک چوری ہو جائیں یا جل جائیں، تو کمپنی اس کا مالی نقصان پورا کر

دیتی ہے، جس سے اس کی معاشی زندگی دوبارہ سنبھل جاتی ہے۔ بصورت دیگر اگر اس نے انشورنس نہ کروائی ہو تو ایسا حادثہ اس کے لیے انتہائی تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔

تاہم اس نظام کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جس کی طرف مصنف توجہ دلاتے ہیں، اور وہ یہ کہ اگر کسی شخص کو کوئی نقصان پیش نہ آئے تو اس کی طرف سے سالہا سال ادا کی گئی رقم اسے واپس نہیں ملتی، جس سے اس کے لیے نقصان کا پہلو پیدا ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ آیا املاک کی انشورنس کروانا شرعاً جائز ہے یا نہیں، اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے علماء کے درمیان اختلاف کی بحث شروع ہوتی ہے۔[5]

اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے قاری طیب نقشبندی یہ بیان کرتے ہیں کہ املاک کی انشورنس کے شرعی حکم کے بارے میں علماء کے درمیان واضح اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ اسے ناجائز قرار دیتا ہے اور اس کے حق میں مختلف دلائل پیش کرتا ہے۔ ان کے نزدیک انشورنس کمپنیاں لوگوں سے بڑی مقدار میں سرمایہ جمع کرتی ہیں لیکن اس کا مکمل یا متناسب حصہ واپس نہیں کرتیں، بلکہ ایک بڑا حصہ خود اپنے پاس رکھ لیتی ہیں، جس میں استحصال کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ مزید برآں وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ کمپنیاں عموماً اس جمع شدہ رقم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہیں، جس سے سود جیسے حرام نظام کو تقویت ملتی ہے۔[6]

اسی طرح وہ ایک اور پہلو کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص معمولی رقم ادا کر کے بڑی رقم حاصل کر لیتا ہے، مثلاً ایک سال کے لیے دس ہزار روپے ادا کیے اور اسی مدت میں اس کی گاڑی چوری ہو گئی جس کے بدلے کمپنی نے اسے تین لاکھ روپے ادا کر دیے، تو یہ معاملہ ان کے نزدیک سود یا ناجائز اضافہ کے مشابہ ہو جاتا ہے، کیونکہ اس میں دی گئی رقم اور حاصل شدہ رقم کے درمیان غیر متوازن اضافہ پایا جاتا ہے۔[7]

اس کے برعکس دوسرے علماء اس نظام کو بعض پہلوؤں سے جائز قرار دیتے ہیں اور اس کی تائید میں یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ انشورنس دراصل ایک نوع کی حفاظتی تدبیر ہے جس کے ذریعے انسان اپنی املاک کے تحفظ کے حوالے سے ذہنی اطمینان حاصل کرتا ہے۔ ان کے نزدیک یہ معاملہ اس سے مشابہ ہے کہ کوئی شخص اپنی دکان، مکان یا گودام کی حفاظت کے لیے کسی سیکیورٹی کمپنی یا محافظ کی خدمات حاصل کرے، جس کے عوض وہ باقاعدہ اجرت ادا کرتا ہے۔ اس صورت میں اگرچہ مکمل تحفظ کی ضمانت نہیں ہوتی، لیکن ایک معقول حد تک حفاظت کا انتظام ہو جاتا ہے اور انسان اپنے مال کے بارے میں قدرے مطمئن ہو جاتا ہے۔[8]

اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب انسان حفاظتی اقدامات کے لیے اخراجات برداشت کر سکتا ہے، باوجود اس کے کہ خطرہ مکمل طور پر ختم نہیں ہوتا، تو انشورنس کو بھی اسی اصول پر دیکھا جا سکتا ہے، بلکہ اس میں ایک اضافی فائدہ یہ ہے کہ نقصان کی صورت میں مالی تلافی بھی ہو جاتی ہے، جس سے ذہنی سکون اور معاشی استحکام مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس طرح وہ انشورنس کو ایک جائز خدمت کے حصول کے طور پر تعبیر کرتے ہیں، جس میں باہمی رضامندی کے ساتھ ایک معاہدہ طے پاتا ہے۔ یوں قاری طیب نقشبندی اس مقام پر دونوں آراء کو متوازن انداز میں پیش کرتے ہیں۔[9]

اسی بحث کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے قاری طیب نقشبندی انشورنس کے جواز کے قائل علماء کے مؤقف کو مزید وضاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ایک تمثیلی انداز میں اس کی توجیہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس معاملے کو یوں بھی

سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حفاظتی کمپنی سے ایک متعین مدت کے لیے معاہدہ کر لیتا ہے اور اس کے بدلے میں ماہانہ یا سالانہ ایک معقول بلکہ نسبتاً زیادہ رقم ادا کرتا ہے، تو اگرچہ اصولی طور پر اس کمپنی پر شرعاً یہ لازم نہیں کہ نقصان کی صورت میں مکمل ضمانت دے، لیکن چونکہ وہ اضافی معاوضہ وصول کر رہی ہوتی ہے اس لیے وہ اخلاقاً اور معاہداتی طور پر اس ذمہ داری کو قبول کر لیتی ہے کہ اگر نقصان ہوا تو اس کی تلافی کرے گی۔

اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے وہ یہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ جب حفاظتی خدمات کے عوض اضافی معاوضہ دے کر کسی ادارے کو اس نوعیت کی ذمہ داری سونپی جا سکتی ہے تو پھر انشورنس کمپنیوں کے ساتھ بھی ایسا معاہدہ کیا جا سکتا ہے، جہاں لوگ اپنی املاک کے تحفظ کے لیے باقاعدہ رقم ادا کرتے ہیں اور اس کے بدلے میں کمپنی ان کے ممکنہ نقصانات کی ذمہ داری قبول کر لیتی ہے۔ اس صورت میں یہ معاملہ ایک باہمی رضامندی پر مبنی معاہدہ بن جاتا ہے، جس میں ایک فریق مالی ادائیگی کرتا ہے اور دوسرا فریق تحفظ اور تلافی کی ذمہ داری لیتا ہے۔

وہ اس استدلال کو مزید تقویت دینے کے لیے اس اصول کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ "هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ"[10] یعنی احسان کا بدلہ احسان کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ گویا جب لوگ کمپنی کو ایک بڑی رقم ادا کر کے اس پر اعتماد کرتے ہیں تو کمپنی کی طرف سے بھی یہ ایک طرح کا احسان اور ذمہ داری کا اظہار ہے کہ وہ ان کے نقصان کو پورا کرے۔ اس طرح یہ معاملہ محض مالی لین دین نہیں رہتا بلکہ ایک اخلاقی و معاہداتی ذمہ داری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

یوں قاری طیب نقشبندی اس نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہیں کہ انشورنس کو محض سود یا ناجائز اضافہ قرار دینا ہر صورت میں درست نہیں، بلکہ اسے ایک خدمت، ذمہ داری اور باہمی معاہدے کے تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے، جس میں فریقین اپنی رضامندی سے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا معاہدہ کرتے ہیں۔[11]

اسی بحث کے تسلسل میں قاری طیب نقشبندی انشورنس کے حوالے سے اٹھائے جانے والے شبہات کا ازالہ کرتے ہیں اور ناقدین کے دلائل کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ وہ اس بات کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں کہ انشورنس کمپنیاں لوگوں سے جمع شدہ سرمایہ کا بڑا حصہ خود ہڑپ کر جاتی ہیں اور صرف تھوڑا سا واپس کرتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ایک عمومی اور غیر محقق دعویٰ ہے، کیونکہ عملی طور پر ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض کمپنیاں دعوے داروں کو ادائیگیاں نہ کر سکنے کی وجہ سے خود نقصان اٹھا کر بند ہو گئی ہیں۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انشورنس کا کاروبار بھی دیگر تجارتوں کی طرح نفع و نقصان کے اتار چڑھاؤ سے گزرتا ہے؛ کبھی دعووں کی کثرت کمپنی کو خسارے میں ڈال دیتی ہے اور کبھی کمی اسے فائدہ پہنچاتی ہے۔

اسی طرح وہ اس اعتراض کو بھی کمزور قرار دیتے ہیں کہ انشورنس کمپنیاں اپنی جمع شدہ رقم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ محض ایک دعویٰ ہے جس کے لیے ٹھوس دلیل درکار ہے، اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو یہ ایک الگ نوعیت کا معاملہ ہے، جس سے اصل انشورنس کے عقد کی حرمت لازم نہیں آتی۔ وہ اس کی مثال دیتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مختلف جائز ذرائع سے کمائی کرنے کے بعد اس کا کچھ حصہ سود میں لگا دے تو اس کی دیگر تمام جائز تجارتوں کو حرام نہیں کہا جا سکتا، اسی طرح انشورنس کے معاملے کو بھی اس بنیاد پر کلیتاً ناجائز قرار دینا درست نہیں۔

مزید وہ اس دلیل کا بھی جواب دیتے ہیں کہ انشورنس میں تھوڑی رقم دے کر زیادہ رقم حاصل کی جاتی ہے، لہٰذا یہ سود ہے۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ حقیقت میں انشورنس کمپنی پالیسی ہولڈر کو کوئی اضافی نفع نہیں دیتی بلکہ صرف اس کے حقیقی نقصان

کی تلافی کرتی ہے۔ اگر کسی کو ادائیگی کی جاتی ہے تو وہ اسی حد تک ہوتی ہے جس سے اس کا نقصان پورا ہو جائے، نہ کہ اسے کوئی زائد مالی فائدہ پہنچایا جائے۔ اس بنا پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اسے سود قرار دینا درست نہیں۔[12]

اس وضاحت کے بعد وہ سود کی اقسام کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ سود کی ایک قسم ربا الفضل ہے، جس کا تعلق ان اشیاء سے ہے جو ناپ تول سے فروخت ہوتی ہیں اور جنہیں ایک ہی جنس میں کمی بیشی کے ساتھ خریدا یا بیچا جائے۔ ان کے مطابق انشورنس کا معاملہ اس تعریف پر پورا نہیں اترتا، کیونکہ یہاں اس نوع کی بیع موجود نہیں جس میں ایک ہی جنس کو زیادتی کے ساتھ واپس لیا جائے، بلکہ یہ ایک معاہداتی اور حفاظتی نوعیت کا معاملہ ہے، جس میں ایک فریق رقم دیتا ہے اور دوسرا نقصان کی تلافی کی ذمہ داری لیتا ہے۔

یوں قاری طیب نقشبندی اس مرحلے پر یہ واضح کرتے ہیں کہ انشورنس کے خلاف پیش کیے جانے والے کئی اعتراضات یا تو غیر مدلل ہیں یا ان کا اطلاق اس معاملے پر درست طور پر نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے اس مسئلے کو مزید فقہی اعتبار سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔[13]

اسی بحث کے تسلسل میں قاری طیب نقشبندی مزید وضاحت کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ احادیثِ نبویہ میں جہاں بھی ربا الفضل کی حرمت کا ذکر آیا ہے وہاں "برابری" اور "مساوات" کی شرط کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، جیسے سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے برابر مقدار میں فروخت کی جائے، ورنہ یہ سود کے زمرے میں آ جائے گا۔ اس طرح کی نصوص، جیسا کہ کتبِ حدیث میں وارد ہوئی ہیں، اس بات کو واضح کرتی ہیں کہ ربا الفضل کا تعلق ایک ہی جنس کی اشیاء کے باہمی تبادلے میں کمی بیشی سے ہے۔

قاری طیب نقشبندی اس اصول کو سامنے رکھتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ انشورنس کا معاملہ اس تعریف پر پورا نہیں اترتا، کیونکہ یہ کسی بھی طرح بیع اموال کی وہ صورت نہیں جس میں ایک ہی جنس کا تبادلہ زیادتی کے ساتھ ہو۔ بلکہ ان کے نزدیک انشورنس کی نوعیت اجارہ سے زیادہ قریب ہے، جس میں ایک شخص کسی خدمت کے حصول کے لیے معاوضہ ادا کرتا ہے۔ اس صورت میں انشورنس کروانے والا فرد کمپنی کو ایک متعین رقم دیتا ہے تاکہ وہ اس کی املاک کے تحفظ اور ممکنہ نقصان کے ازالے کی ذمہ داری لے۔[14]

وہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ عملی طور پر انشورنس کمپنیاں عموماً نقد رقم دے کر نفع نہیں دیتیں بلکہ نقصان کی تلافی کرتی ہیں، مثلاً اگر مکان کو آگ لگ جائے تو اس کے خراب شدہ حصے کی مرمت کروا دی جاتی ہے، یا اگر گاڑی کو نقصان پہنچے تو اسے درست کروا دیا جاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی منقولہ چیز، جیسے گاڑی، مکمل طور پر ضائع ہو جائے اور اس کی بازیابی ممکن نہ ہو تو مجبوری کے تحت اس کی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ اس سے ان کے نزدیک یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہاں "پیسے کے بدلے پیسہ" نہیں بلکہ "پیسے کے بدلے منفعت" کا معاملہ ہے، جو اجارہ کی تعریف کے زیادہ قریب ہے۔

اسی بنیاد پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انشورنس کو ربا الفضل میں شمار کرنا درست نہیں، کیونکہ اس میں نہ تو ہم جنس اشیاء کا تبادلہ ہے اور نہ ہی کسی مقرر زیادتی کی شرط پائی جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ربا النسیہ کے حوالے سے بھی وضاحت کرتے ہیں کہ اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو قرض دیا جائے اور مقررہ مدت کے بعد اصل رقم کے ساتھ ایک طے شدہ اضافہ وصول کیا جائے، جو کہ جاہلیت کا معروف سودی طریقہ تھا اور آج کے بینکاری نظام میں بھی رائج ہے۔ ان کے مطابق انشورنس کا معاملہ اس

سے بھی مختلف ہے، کیونکہ اس میں قرض اور اس پر اضافہ کی کوئی شرط موجود نہیں۔ یوں قاری طیب نقشبندی یہ واضح کرتے ہیں کہ انشورنس کو سود کی کسی بھی معروف قسم کے تحت لانا درست نہیں، بلکہ یہ ایک الگ نوعیت کا معاہدہ ہے جسے اجارہ اور منفعت کے اصول پر سمجھنا زیادہ مناسب ہے۔[15]

اسی مقام پر قاری طیب نقشبندی اپنے مؤقف کی تائید میں ائمہ تفسیر و حدیث کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں تاکہ ربا کی اصل نوعیت مزید واضح ہو سکے۔ وہ امام فخر الدین رازی کا قول پیش کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص کسی سے سو درہم بطور قرض لیتا اور مقررہ مدت پر ادائیگی نہ کر پاتا تو قرض خواہ اس سے کہتا کہ اگر تم اصل رقم میں اضافہ کرو تو میں تمہیں مزید مہلت دے دوں گا۔ پھر جب نئی مدت آتی تو اسی طرح مزید اضافہ کر دیا جاتا، یہاں تک کہ معمولی قرض کئی گنا بڑھ جاتا۔ اسی پس منظر میں قرآن نے سود کو "اِضعافاً مضاعفة" یعنی کئی گنا بڑھا ہوا قرار دے کر اس سے منع فرمایا۔[16]

اسی طرح وہ امام بدر الدین عینی کا قول نقل کرتے ہیں کہ جاہلیت میں رواج یہ تھا کہ جب قرض کی مدت پوری ہوتی تو مقروض کو یا تو اصل رقم ادا کرنا پڑتی یا پھر اس پر مزید سود لگا دیا جاتا، اور اگر وہ پھر بھی ادائیگی نہ کر پاتا تو مدت میں اضافہ کر کے سود کو بڑھا دیا جاتا، یہاں تک کہ تھوڑی سی رقم کئی گنا زیادہ ہو جاتی۔[17]

ان تاریخی توضیحات کے بعد قاری طیب نقشبندی اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے واضح کرتے ہیں کہ انشورنس کا معاملہ اس نوعیت سے بالکل مختلف ہے۔ ان کے نزدیک انشورنس میں نہ تو قرض کا کوئی پہلو موجود ہے اور نہ ہی اس پر کسی متعین اضافے کی شرط پائی جاتی ہے۔ یہاں نہ کوئی ایسی مدت مقرر ہوتی ہے کہ اگر اس میں ادائیگی نہ کی جائے تو سود بڑھتا جائے، اور نہ ہی اصل رقم پر کسی قسم کا اضافہ لازم کیا جاتا ہے۔ اس بنا پر وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انشورنس کو ربا کی کسی بھی قسم، خواہ ربا الفضل ہو یا ربا النسیہ، کے تحت شامل نہیں کیا جا سکتا۔

وہ مزید وضاحت کرتے ہیں کہ انشورنس کی حقیقت دراصل ایک معاہداتی نوعیت رکھتی ہے جس میں دو پہلو پائے جاتے ہیں: ایک طرف یہ انشورنس کروانے والے کے لیے اجارہ ہے، یعنی وہ ایک خدمت کے حصول کے لیے معاوضہ ادا کرتا ہے، اور دوسری طرف کمپنی کے لیے یہ کفالت ہے، یعنی وہ نقصان کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتی ہے۔ اس طرح یہ معاملہ سود سے بالکل مختلف ہو کر ایک جائز معاہدے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

اپنے اس تجزیے کے اختتام پر قاری طیب نقشبندی یہ رائے دیتے ہیں کہ انشورنس دورِ حاضر کی ایک اہم ضرورت بن چکی ہے، جس کے بغیر جدید معاشی نظام میں چلنا دن بدن مشکل ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے وہ علماءِ محققین کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ محض نظری مباحث تک محدود نہ رہیں بلکہ امت کے اجتماعی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے ایسے جدید مسائل کا حل تلاش کریں۔ اس ضمن میں وہ قرآن کے اس اصول کو بھی پیش نظر رکھنے کی تلقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے آسانی چاہتا ہے، تنگی نہیں، لہٰذا شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے جہاں تک ممکن ہو امت کے لیے سہولت اور گنجائش پیدا کی جائے۔[18]

اسی موقف کی مزید تائید میں قاری طیب نقشبندی معاصر اہلِ علم کی آراء بھی نقل کرتے ہیں، چنانچہ وہ شام کے نامور محقق عالم مصطفیٰ زرقا کا قول پیش کرتے ہیں کہ اگر قدیم فقہاء آج کے دور میں موجود ہوتے اور جدید زندگی کے ان خطرات کا مشاہدہ کرتے جو تیز رفتار ذرائع، حادثات اور دیگر پیچیدہ معاشی حالات کی صورت میں پیدا ہو چکے ہیں، اور ان کے سامنے انشورنس جیسے نظام کی عملی صورت رکھی جاتی، تو وہ ان ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ایک شرعی نظام کے طور پر قبول کرنے میں

تردد نہ کرتے۔ اس قول کے ذریعے مصنف یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ فقہی اجتہاد میں زمان و مکان کے تغیر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[19]

اس کے بعد وہ ایک اور اہم اعتراض کا جائزہ لیتے ہیں جس میں انشورنس کو جوا اور لاٹری سے تشبیہ دے کر ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ قاری طیب نقشبندی اس کو غیر حقیقت پسندانہ قیاس قرار دیتے ہوئے وضاحت کرتے ہیں کہ جوا کی اصل حقیقت یہ ہے کہ اس میں ایک فریق کو بلا عوض مال حاصل ہوتا ہے اور دوسرے کا مال ضائع ہو جاتا ہے، جبکہ انشورنس میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ صرف نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، کوئی اضافی مالی منفعت نہیں دی جاتی۔

وہ اس استدلال کو مزید مضبوط بنانے کے لیے ایک عملی مثال پیش کرتے ہیں، جیسے بعض معاشروں میں امدادی یا فلاحی فنڈز قائم کیے جاتے ہیں، مثلاً بیرونِ ملک مقیم کمیونٹیز میں ایسے فنڈز ہوتے ہیں جن میں افراد باقاعدگی سے رقم جمع کرواتے ہیں اور اگر کسی رکن کی وفات ہو جائے تو اس کے اخراجات اسی فنڈ سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اس صورت میں بھی بہت سے افراد اپنی زندگی بھر رقم دیتے رہتے ہیں مگر انہیں کوئی براہِ راست مالی فائدہ نہیں ملتا، جبکہ بعض کو ضرورت کے وقت اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر اس نوعیت کے فنڈز کو جوا قرار نہیں دیا جاتا تو پھر محض اسی مشابہت کی بنیاد پر انشورنس کو جوا کہنا بھی درست نہیں۔

مزید برآں وہ اس نکتے کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ اگر یہ کہا جائے کہ امدادی فنڈز کا مقصد اجتماعی فلاح ہے تو یہی مقصد انشورنس میں بھی کارفرما ہوتا ہے، البتہ فرق صرف یہ ہے کہ جدید دور میں ان امور کو منظّم کرنے کے لیے تجارتی اداروں کی صورت اختیار کر لی گئی ہے، کیونکہ افراد کے لیے انفرادی طور پر ایسے نظام کو چلانا ممکن نہیں رہا۔

تاہم اس کے ساتھ وہ احتیاط کی بھی تاکید کرتے ہیں کہ انشورنس کے لیے ایسے اداروں کا انتخاب کیا جائے جو معتبر اور قابلِ اعتماد ہوں، کیونکہ غیر معروف کمپنیاں بسا اوقات لوگوں کا سرمایہ لے کر غائب ہو جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ انشورنس کروانے والے کی نیت بھی درست ہونی چاہیے، یعنی اس کا مقصد اپنی املاک کا تحفظ ہو نہ کہ ناجائز منافع حاصل کرنا۔ اگر کوئی اس نظام کو دھوکہ دہی کے لیے استعمال کرے تو وہ اسی طرح قابلِ مذمت ہوگا جیسے دیگر تجارتوں میں فریب کرنے والے افراد۔

یوں قاری طیب نقشبندی اس پوری بحث کے اختتام پر یہ واضح کرتے ہیں کہ کسی بھی معاشی نظام میں چند خراب عناصر کی موجودگی اس کے کلی جواز یا افادیت کو ختم نہیں کرتی، بلکہ اصل چیز اس کے بنیادی اصول اور مقاصد ہیں، جن کی بنیاد پر اس کا جائزہ لیا جانا چاہیے۔[20] نیز بحث کے اختتام پر قاری طیب نقشبندی ایک دردمندانہ انداز اختیار کرتے ہوئے امتِ مسلمہ کی اجتماعی حالت پر تبصرہ کرتے ہیں اور ایک مثالی متبادل نظام بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ بہتر صورت یہ تھی کہ اہلِ اسلام خود باہمی مواسات، ہمدردی اور تعاون کی بنیاد پر ایک ایسا نظام قائم کرتے جس میں لوگ باقاعدگی سے مالی حصہ ڈالتے اور جب کسی فرد کو حادثہ یا مصیبت پیش آتی تو اسی مشترکہ فنڈ سے اس کی مدد کی جاتی۔ وہ اس کی مثال قدیم قبائلی نظام سے دیتے ہیں جہاں دیت کی ادائیگی کے لیے اجتماعی فنڈ قائم کیے جاتے تھے تاکہ کسی ایک فرد پر بوجھ نہ پڑے بلکہ پورا معاشرہ اس کی ذمہ داری بانٹ لے۔

اسی طرح وہ معاصر مثال کے طور پر بیرونِ ملک مسلمان برادریوں کے ان فلاحی فنڈز کا ذکر کرتے ہیں جن کے ذریعے میتوں کو وطن منتقل کرنے یا دیگر ہنگامی ضروریات پوری کی جاتی ہیں۔ ان کے نزدیک اگر اسی طرز پر منظّم، رفاہی اور غیر تجارتی بنیادوں پر انشورنس جیسے ادارے قائم کیے جائیں تو یہ نہ صرف شرعی لحاظ سے زیادہ اطمینان بخش ہوں گے بلکہ معاشرتی اخوت اور

تعاون کے اصولوں کے بھی زیادہ قریب ہوں گے۔

تاہم وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ دور کی مصروف زندگی میں اس نوع کے فلاحی اور اجتماعی نظام کو قائم رکھنا آسان نہیں رہا، کیونکہ اس کے لیے وقت، محنت اور باہمی اعتماد درکار ہوتا ہے، جس کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ اسی عملی دشواری کے باعث تجارتی بنیادوں پر انشورنس کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، جو لوگوں سے سرمایہ جمع کر کے ایک منظم طریقے سے خطرات کا بوجھ تقسیم کرتی ہیں اور ضرورت کے وقت نقصان کا ازالہ کر دیتی ہیں۔

چنانچہ وہ ایک عملی اور قدرے اضطراری موقف اختیار کرتے ہوئے یہ رائے دیتے ہیں کہ موجودہ حالات میں انشورنس کمپنیوں سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ ایک ناگزیر ضرورت کی شکل اختیار کر چکی ہے، اور اس کے ذریعے لوگوں کو بڑے مالی نقصانات سے بچایا جا سکتا ہے۔ یوں ان کی رائے میں یہ ایک ایسی گنجائش ہے جسے زمانے کے تقاضوں اور انسانی ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے قبول کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اصل اور بہتر صورت باہمی تعاون پر مبنی غیر تجارتی نظام ہی ہے۔[21]

لائف انشورنس یا بیمہ پالیسی سے متعلق فقہی مباحث

پگڑی اور املاک کی انشورنس پر تفصیلی گفتگو کے بعد قاری طیب نقشبندی لائف انشورنس کے مسئلے کی طرف آتے ہیں اور اسے الگ نوعیت کا معاملہ قرار دیتے ہیں۔ وہ اس کی عملی صورت بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص کسی کمپنی سے ایک متعین رقم، مثلاً بیس لاکھ روپے کی پالیسی لیتا ہے اور اس کے عوض سالانہ اقساط ادا کرتا رہتا ہے۔ اگر مدت پوری ہونے سے پہلے اس کی وفات ہو جائے تو کمپنی اس کے نامزد وارث کو پوری رقم ادا کر دیتی ہے، خواہ اس نے ابھی چند اقساط ہی ادا کی ہوں، اور اگر وہ مدت پوری کر لے تو اسے اصل رقم کے ساتھ ایک متعین اضافہ بھی دیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ درمیان میں اقساط ادا کرنے سے قاصر ہو جائے تو کمپنی اس کی ادا کردہ رقم بھی ضبط کر لیتی ہے۔

قاری طیب نقشبندی اس نظام کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ رائے دیتے ہیں کہ اس کے اکثر پہلو شریعت کے اصولوں سے متصادم ہیں۔ ان کے نزدیک سب سے بنیادی خرابی یہ ہے کہ اس میں سود کا عنصر نمایاں طور پر موجود ہے۔ وہ اس کی وضاحت کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ابھی معمولی رقم ادا کی ہو اور اس کے بعد اس کی وفات ہو جائے، لیکن اس کے ورثاء کو پوری بیمہ رقم مل جائے، تو یہ ایسا اضافہ ہے جو کسی حقیقی معاوضہ یا منفعت کے بغیر حاصل ہو رہا ہے، جسے وہ سود کے مشابہ بلکہ صریح سود قرار دیتے ہیں۔[22]

مزید برآں وہ اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ املاک کی انشورنس میں کم از کم ایک حقیقی خدمت اور حفاظت کا پہلو موجود ہوتا ہے، یعنی کسی ممکنہ نقصان کی تلافی کی جاتی ہے، جبکہ لائف انشورنس میں ایسا کوئی حقیقی حفاظتی پہلو نہیں پایا جاتا، بلکہ یہ زیادہ تر مالی لین دین اور رقم کے تبادلے پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اس کو املاک کی انشورنس سے الگ قرار دیتے ہیں اور اس میں پائی جانے والی زیادتی اور عدم توازن کو شرعی اصولوں کے خلاف سمجھتے ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر قاری طیب نقشبندی اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ لائف انشورنس کو جائز قرار دینا مشکل ہے اور اسے حرام کہنے کے سوا کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس میں سود اور دیگر ناجائز پہلو نمایاں طور پر موجود ہیں۔[23]

اسی مقام پر قاری طیب نقشبندی لائف انشورنس کی حرمت کے مزید پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے اس کے مختلف عملی اور شرعی اشکالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس نظام میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ اگر پالیسی ہولڈر کسی وجہ سے اپنی

اقساط جاری نہ رکھ سکے تو کمپنی اس کی پہلے سے جمع شدہ رقم ضبط کر لیتی ہے، جو ان کے نزدیک صریح ظلم کے زمرے میں آتا ہے۔ اسی طرح جب پالیسی مکمل ہوتی ہے تو اصل رقم کے ساتھ ایک متعین اضافہ دیا جاتا ہے، جسے وہ سود قرار دیتے ہیں، کیونکہ یہ اضافہ پہلے سے مشروط ہوتا ہے اور کسی حقیقی تجارتی نفع پر مبنی نہیں ہوتا۔

مزید وہ اس بات کو بھی شرعی لحاظ سے محلِ اشکال قرار دیتے ہیں کہ پالیسی ہولڈر کسی ایک مخصوص فرد، مثلاً بیوی یا بیٹے کو نامزد کر دیتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد وہی یہ رقم وصول کرے۔ قاری صاحب کے نزدیک یہ طرزِ عمل اسلامی قانونِ وراثت کے خلاف ہے، کیونکہ وفات کے بعد حاصل ہونے والا مال میت کے ترکہ میں شامل ہوتا ہے اور اس پر تمام ورثاء کا حق ہوتا ہے، نہ کہ کسی ایک فرد کا۔

تاہم اس سخت تنقید کے باوجود وہ ایک اہم فقہی پہلو کی طرف بھی توجہ دلاتے ہیں اور یہ واضح کرتے ہیں کہ بعض اوقات شدید مجبوری اور اضطرار ایسی صورت حال پیدا کر دیتا ہے جس میں ممنوع امور میں بھی گنجائش نکل آتی ہے۔ وہ معروف فقہی قاعدہ الضرورات تبیح المحظورات کا حوالہ دیتے ہوئے مثال پیش کرتے ہیں کہ ایک غریب آدمی جو محنت مزدوری یا معمولی ملازمت کے ذریعے اپنے اہلِ خانہ کا گزارہ کرتا ہے اور اس کے پاس کوئی مستقل ذریعہ آمدن نہیں ہوتا، وہ اپنی وفات کے بعد اپنے بچوں کے مستقبل کے بارے میں شدید فکر مند ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر وہ لائف انشورنس کروالیتا ہے تو اسے یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد اس کے اہلِ خانہ کو کچھ مالی سہارا مل جائے گا اور وہ فوری طور پر محتاجی اور دستِ سوال دراز کرنے سے بچ جائیں گے۔

قاری طیب نقشبندی اس معاشرتی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ عموماً کسی غریب شخص کے انتقال کے بعد اس کے قریبی عزیز بھی اس کے اہلِ خانہ سے کترانے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں بیوہ اور یتیم بچوں کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس پس منظر میں وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ لائف انشورنس کے کچھ عملی فوائد سے انکار نہیں کیا جا سکتا، خاص طور پر ایسے معاشروں میں جہاں امن وامان کی صورتحال خراب ہو اور انسانی جان ومال کو مسلسل خطرات لاحق ہوں۔

وہ مثال کے طور پر اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ ایسے حالات میں جہاں چوری، ڈکیتی، ٹارگٹ کلنگ اور دیگر پرتشدد واقعات عام ہوں، لوگ ہر وقت غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہتے ہیں، اور کسی بھی وقت کسی خاندان کا کفیل اچانک دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے۔ ایسے حالات میں اس کے بعد اس کے اہلِ خانہ کی جو حالت ہوتی ہے، وہ نہایت قابلِ رحم ہوتی ہے۔

یوں قاری طیب نقشبندی ایک متوازن انداز میں یہ واضح کرتے ہیں کہ اگرچہ لائف انشورنس اپنے بنیادی ڈھانچے کے اعتبار سے کئی شرعی قباحتوں پر مشتمل ہے، تاہم بعض شدید مجبوریوں اور حالات کے پیشِ نظر اس کے بعض پہلوؤں میں گنجائش کی بحث بھی پیدا ہو سکتی ہے، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔[24]

قاری طیب نقشبندی مزید واضح کرتے ہیں کہ پاکستان کے حالات پر حکومت کا کنٹرول نہ ہونے کے برابر ہے اور بین الاقوامی اسلام دشمن طاقتیں ملک کو مسلسل خطرات میں رکھتی ہیں۔ ایسے حالات میں لائف انشورنس اور املاک کی انشورنس کی افادیت سے انکار کرنا درست نہیں۔ ان کے نزدیک علما کو چاہیے کہ وہ دینی ہمدردی اور امت کی خیر خواہی کے جذبات کے ساتھ اس مسئلے کا جائزہ لیں اور اس نظام میں موجود شرعی خلاف ورزیوں کی اصلاح کے لیے تجاویز پیش کریں تاکہ امت کی جان ومال کی حفاظت ممکن ہو سکے۔

قاری صاحب ہندوستان کی مثال پیش کرتے ہیں کہ جب وہاں مسلم کش فسادات شروع ہوئے اور مسلمانوں کی جان و مال کو شدید خطرات لاحق ہوئے تو مختلف مسالک کے علما بلاامتیاز اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کے لیے ناگزیر حالات میں لائف انشورنس اور املاک انشورنس کے جواز پر غور کیا اور فتویٰ دیا۔ اس فتویٰ پر پچاس سے زائد جید علما نے دستخط کیے۔ فتویٰ کا خلاصہ یہ تھا کہ مروجہ انشورنس نظام اگرچہ شریعت میں ربا، قمار اور غرر جیسے ممنوع عناصر پر مشتمل ہے، لیکن ہندوستان کے موجودہ حالات میں، جہاں مسلمانوں کی جان و مال، صنعت اور تجارت فسادات کی وجہ سے مسلسل خطرے میں ہیں تو رفع ضرر، دفع حرج اور جان و مال کے تحفظ کی شرعی اہمیت کے پیش نظر، جان اور مال کا بیمہ کرانا شرعاً جائز ہے۔[25]

قاری طیب نقشبندی مزید واضح کرتے ہیں کہ جیسے انڈیا کے علما نے مسلمانوں کی جان و مال کے تحفظ کے پیش نظر لائف انشورنس کے جواز کا فتویٰ دیا، اسی طرح پاکستان کے علما کو بھی چاہیے کہ وہ موجودہ حالات اور عوام کی مجبوریوں کو سمجھ کر اس بارے میں بروقت شرعی رائے دیں۔ ورنہ حالات خود لوگوں کے لیے راستہ بنا دیں گے اور مجبوراً فتویٰ دینا پڑے گا، جیسا کہ پہلے لاوڈ اسپیکر کی آواز پر جماعت میں نماز کی اقتداء کی حرمت کے فتویٰ کے معاملے میں ہوا۔[26]

قاری صاحب مزید بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ لائف انشورنس کو جواء کہتے ہیں، وہ حقیقت پسندی سے کام نہیں لیتے بلکہ جذباتی اندازے سے دلیل دیتے ہیں۔ جوا کی تعریف میں شامل ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک کو نفع اور دوسرے کو نقصان لازمی ہو، اور نتیجہ غیر یقینی ہو، جیسا کہ کھیلوں یا سٹے میں ہوتا ہے۔ جبکہ لائف انشورنس میں پالیسی ہولڈر جانتا ہے کہ مرنے کی صورت میں مخصوص رقم اس کے نامزد یا حق دار افراد کو ملے گی۔

یہاں شرط یہ ہے کہ انشورنس کی رقم مرنے والے کے تمام ورثاء میں شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم کی جائے تاکہ کسی ایک فرد کا حق نقصان نہ ہو۔ قاری طیب نقشبندی اس سے نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ لائف انشورنس کا جواز عمومی حالات میں نہیں بلکہ صرف مخصوص حالات میں ہے، مثلاً پاکستان جیسے غریب اور نامساعد ممالک میں جہاں عوام کے لیے جان و مال کا تحفظ مشکل ہو اور پالیسی ہولڈر کے مرنے کے بعد اولاد کے لیے کوئی مستقل ذریعہ آمدن نہ ہو۔

تاہم جو لوگ بعد از مرگ اپنی اولاد کے لیے معقول جائیداد یا مستقل ذرائع آمدن چھوڑ دیتے ہیں، یا برطانیہ جیسے فلاحی ممالک میں رہتے ہیں جہاں حکومت ہر فرد کے لیے بنیادی سہولیات مہیا کرتی ہے، ان کے لیے لائف انشورنس کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ اس کے برعکس، املاک کی انشورنس میں امیر اور غریب کا کوئی فرق نہیں، یہ ہر شخص کے لیے املاک کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

قاری طیب نقشبندی واضح کرتے ہیں کہ یہ رائے ہے، فتویٰ نہیں، اور علما مزید بحث کر سکتے ہیں، اور اگر دلائل کی روشنی میں کوئی بہتر رائے سامنے آئے تو اسے قبول کیا جا سکتا ہے۔[27]

گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ قاری طیب نقشبندی کی تفسیر برہان القرآن معاصر معاشی مسائل کے فقہی تجزیے میں ایک متوازن، حقیقت پسندانہ اور اجتہادی منہج پیش کرتی ہے۔ زیر بحث مسائل یعنی پگڑی، املاک کی انشورنس اور لائف انشورنس کے حوالے سے انہوں نے نہ صرف قرآنی اصولوں جیسے عدل، شفافیت اور باہمی رضامندی کو بنیاد بنایا بلکہ بدلتے ہوئے معاشی حالات اور انسانی ضروریات کو بھی پیشِ نظر رکھا۔ ان کا اسلوب یہ واضح کرتا ہے کہ شریعت ایک جامد نظام نہیں بلکہ ایک زندہ اور قابلِ اطلاق ضابطۂ حیات ہے جو ہر دور کے نئے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اگرچہ بعض معاملات میں انہوں نے

صریح قباحتوں کی نشاندہی کر کے احتیاط کی تلقین کی، تاہم جہاں ضرورت اور اضطرار کا پہلو غالب ہو وہاں گنجائش بھی پیدا کی۔ اس طرح ان کی تحقیق نہ صرف فقہی بصیرت کی عکاس ہے بلکہ معاصر علماء کے لیے ایک عملی رہنمائی بھی فراہم کرتی ہے کہ وہ نصوصِ شرعیہ کی روشنی میں جدید اقتصادی چیلنجز کا حل تلاش کریں اور امت کی فلاح و بہبود کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے متوازن اجتہاد کو فروغ دیں۔

خلاصۃ البحث:

معاصر مالیاتی و تجارتی نظام میں پگڑی، انشورنس اور بیمہ پالیسی جیسے معاملات فقہی اور شرعی اعتبار سے اہم مباحث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زیرِ نظر مقالہ میں ان مسائل کا تجزیہ تفسیر برہان القرآن کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ قاری طیب نقشبندی نے قرآنی اصولِ عدل، شفافیت، امانت اور باہمی رضامندی کی بنیاد پر جدید معاشی معاملات کا جائزہ لیا ہے۔ مقالہ میں واضح کیا گیا ہے کہ پگڑی کی بعض صورتیں ناجائز جبکہ بعض شرائط کے ساتھ جائز قرار دی جاسکتی ہیں، خصوصاً جب معاملہ واضح معاہدے اور فریقین کی رضامندی پر مبنی ہو۔ اسی طرح املاک کی انشورنس اور بیمہ پالیسیوں کے متعلق فقہاء کی مختلف آراء کا تنقیدی مطالعہ کیا گیا ہے۔ مخالفین ان میں غرر اور سودی عناصر کی نشاندہی کرتے ہیں، جبکہ مؤیدین اسے مالی تحفظ اور نقصان کے ازالے کا ایک جائز ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ تحقیق سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ جدید مالیاتی ذرائع اگر شریعت کے مقاصد، یعنی عدل، تحفظِ مال اور فلاحِ عامہ کے مطابق منظّم کیے جائیں تو ان کی بعض صورتیں قابلِ قبول ہو سکتی ہیں۔ یہ مقالہ معاصر معاشی مسائل میں اجتہادی بصیرت اور متوازن فقہی رہنمائی کی اہمیت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حواشی و حوالہ جات

1 Naqshbandī, Qārī Ṭayyib, *Tafsīr Burhān al-Qur'ān* (Lahore: Idārah Burhān al-Qur'ān, 2016), Vol. 2, p. 299.

2 اہم فقہی مسائل، دوسرا فقہی سیمینار، ص 11 (کراچی: ادارۃ القرآن)، یہ ایک اہم علمی و فقہی اجتماع تھا جس میں برصغیر کے ممتاز علماء نے شرکت کی اور جدید و معاصر فقہی مسائل کے حل کے لیے اجتماعی اجتہاد کی کوشش کی گئی۔ جسے بعد ازاں ادارۃ القرآن نے کراچی سے پبلش بھی کیا۔ جس کا حوالہ قاری طیب نقشبندی اپنی تفسیر برہان القرآن میں متعدد بار دیتے ہیں۔

3 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, *Tafsīr Burhān al-Qur'ān*, Vol. 2, p. 299.

4 Al-Nisāʾ: 29

5 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, *Tafsīr Burhān al-Qur'ān*, Vol. 2, p. 300.

6 Ibid.

7 Ibid.

8 Ibid.

9 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, *Tafsīr Burhān al-Qur'ān*, Vol. 2, p. 300.

10 Al-Raḥmān: 55
11 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 300.
12 Ibid
13 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 300.
14 Ibid
15 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 303.
16 Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Muḥammad ibn ʿUmar, Tafsīr al-Kabīr (Mafātīḥ al-Ghayb) (Multan: Dār al-Ḥadīth), Vol. 3, p. 363.
17 Badr al-Dīn Maḥmūd ibn Aḥmad al-ʿAynī, ʿUmdat al-Qārī Sharḥ Ṣaḥīḥ al-Bukhārī (Egypt: al-Ṭabʿāt al-Munīriyyah, n.d.), Vol. 11, p. 199.
18 Imām Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Tafsīr al-Kabīr, Vol. 3, p. 363.
19 Al-Asʿadī, ʿUbaydullāh, Maulānā, Jadīd Fiqhī Mabāḥith (Karachi: Idārat al-Qur'ān wa al-ʿUlūm al-Islāmiyyah, n.d.), Vol. 4, p. 295.
20 Al-Asʿadī, Jadīd Fiqhī Mabāḥith, Vol. 4, p. 295.
21 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 304.
22 Ibid
23 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 305.
24 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 306.
25 Important Fiqh Decisions, 5th Fiqh Seminar, 30 October 1999, Jamia al-Rashad, Azamgarh, India, published by Idarat al-Qur'an, Karachi.
26 Ibid
27 Qārī Ṭayyib Naqshbandī, Tafsīr Burhān al-Qur'ān, Vol. 2, p. 308.